ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3, 2024

Analysis of the characters of Mohammad Mansha Yad's novel "Rahine

محمد منشاءیاد کے ناول "راہیں" کے کرداروں کا تجزیہ

Dr. Munawar Amin
Assistant Professor
Institute of Southern Punjab, Multan
drmunawaramin143@gmail.com
Hamid Mahmood
M.Phil Urdu
Institute of Southern Punjab, Multan
hamidmahmoodmzg@gmail.com
Muhammad Imran Haider
M.Phil. Scholar, Institute of southern Punjab Multan
hussains638@gmil.com
Raza Akram
M.Phil. Urdu, Institute of southern Punjab Multan
razaakranali@gmail.com

Abstract:
"Mansha Yaad is one of the famous short story writer and Novelist in Pakistan. He highlighted the core issues of Pakistani societies in his work. He wrote on the rural issues about the lack of facilities in rural area as well he also wrote on the darker sides of urban life. Mansha yaad proofs himself through his style and the selection of the topics. He belongs to a village situated in Punjab is one of the reason that he portrayed beautifully the social issues of the rural life in his novels. He wrote on lot of social issues such as politics, religion, urban and rural problems, poverty, and etc. In this article researcher discussed different characters of the novel "Rahain".
Keywords: Rural Life, Poverty, Feudalism, Social Division, Migration, Aberrances

منشایاد نے افسانے کے علاوہ ادب کی کئی اصناف میں طبع آزمائی کی ہے اور ہر صنف میں اپنے منفرد نقوش چھوڑے ہیں۔ تاہم ان کی مقدم شناخت ان کی افسانہ نگاری ہے۔ اس کے علاوہ ناول، ڈرامہ، انشائیہ، کالم نگاری، مضمون، شاعری، مزاحیہ ادب، سکرپٹ رائٹنگ اور خاکہ و تجزیہ نگاری میں بھی اپنے جوہر دکھا چکے ہیں۔ اس آرٹیکل میں منشایاد کے ناول "راہیں" میں برتی گئی کردار نگاری کا تفصیلی جائزہ لیا جائے گا۔

ناول دراصل انسانی زندگی کی مکمل تصویر کشی کرتا ہے اس کے کردار حقیقی و فطری زندگی سے بالکل قریب ہوتے ہیں۔ ناول اپنے عہد کا آئینہ ہوتا ہے۔ ناول میں واقعات کے ساتھ ساتھ اس زمانے کی روح بھی موجود ہوتی ہے جو اس کو تاریخ سے زیادہ مستند اور معتبر بناتی ہے۔ اردو ناول نگاری کی روایت اس بات کی شاہد ہے کہ ناول اپنے عہد کی سچی اور حقیقی تصویر کشی کرتے ہیں۔ ناول میں قصہ یا کہانی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے اور ناول میں دلچسپی کرداروں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ حقیقی اور فطری کردار ناول کے قصے میں جان پیدا کر دیتے ہیں اور انھی کرداروں کی عمل داری سے ناول کی کہانی آگے بڑھتی ہے۔

راہیں" منشایاد کا پہلا مطبوعہ اردو ناول ہے جسے دوست پبلی کیشنز سے ۲۰۱۲ء میں ان کی وفات کے بعد شائع کروایا گیا۔ ۵۱۲ صفحات اور ۹۸ ابواب پر مشتمل یہ ایک ضخیم ناول ہے۔
منشایاد کا یہ ناول اپنے کرداروں، مقامیت، موضوع اور بالخصوص اسلوب کی بناء پر (پنجابی ادب کے ساتھ ساتھ) اردو ادب میں بھی ایک قابل قدر اضافہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ ناول پاکستان کے صوبے پنجاب کی سرزمین، اور پاکستانی معاشرے میں نچلے متوسط طبقے کی محرومی اور جاگیر دار و زمین دار طبقے کی اجارہ داری کی کہانی ہے۔ اپنے موضوع اور پس منظر کے لحاظ سے ایک ایسی ڈاکو منٹری بھی ہے جس میں پاکستان کے بننے اور بن کر پھر اپنوں کے ہاتھوں بگڑنے کی ساری روداد بیان ہوئی ہے۔ منشایاد کے اس ناول میں اس موضوع کو پہلی بار زیر بحث نہیں لایا گیا۔ جاگیر دارانہ کلچر پر سینکڑوں ایسے ناول مل جائیں گے۔ جو صدیوں سے کمزوروں کا استحصال کرتے آئے ہیں۔ کلچر جو کسی

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3, 2024

بھی قوم کے تمام افراد کے اعمال و افعال فنون لطیفہ، تعلیم، مجلسی زندگی، ذوقی و تخلیقی عوامل، معاشرتی و سماجی رسوم و رواج اور روایات و عادات پر مشتمل ہوتا ہے جبکہ مذہب کو کسی بھی کلچر کا سرچشمہ سمجھا جاتا ہے۔ اس ناول میں نا صرف جاگیر دارنہ کلچر کو فوکس کیا گیا ہے بلکہ متوسط طبقے کی محرومی اور استحصال کو بھی بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ملکی و بین الاقوامی سیاست کی حقیقت کو بھی سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ یوں اکیسویں صدی میں بھی یہ ناول اپنے پرانے و بوسیدہ موضوع کے ساتھ در پیش نئے مسائل کے ساتھ وارد ہوا ہے۔ غیر معمولی نوعیت کے اس ناول میں تمام اجزائے ترکیبی کو بڑی خوبصورتی سے استعمال کیا گیا ہے۔ مکمل پلاٹ، عمدہ کردار نگاری اور دلکش انداز بیان اس ناول کی نمایاں خوبیاں ہیں۔ یہ ناول بنتے بگڑتے اور تبدیل ہوتے جذباتی رشتوں کی کہانی بھی ہے۔ جو عزت نفس اور انسانی انا کے ہاتھوں ختم ہو جاتے ہیں اور کبھی سر اٹھاتے بھی ہیں تو وقت و حالات ان کو دوبارہ پنپنے کی اجازت نہیں دیتے۔ مگر دھندلاتے کبھی نہیں۔ یہ جذباتی رشتے زندگی کو مفہوم عطا کرتے ہیں اور انہی کی بدولت ناقابل برداشت دنیا کا ظالمانہ سلوک بھی روا ہو جاتا ہے۔

ناول اپنے مرکزی کردار ایس ایم خالد کی زندگی کی کہانی ہے لیکن یہ محض آپ بیتی ہی نہیں ہے بلکہ پیش منظر کا بیانیہ بھی ہے۔ خالد کا خاندان پاکستانی معاشرے کے متوسط طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔ کہانی کے بیان میں فلیش بیک تکنیک استعمال کی گئی ہے۔ ناول کی کہانی، خالد کے کنبے اور اس کی محبت کے گرد گھومتی ہے۔ خالد کا خاندان مجذوبیت کا شکار ہے۔ خالد کا باپ اس خیال کو غلط ثابت کرتے کرتے پوری زندگی گزارتا ہے اور بالآخر قریب المرگ اسی مجذوبیت کا شکار ہو کر مر جاتا ہے۔ پورا ناول جہاں اس تہذیب و معاشرت کی عکاسی کرتا ہے وہاں اس معاشرت میں موجود تضادات اور عہد کی حقیقتوں سے بھی پردہ اٹھاتا ہے۔ خالد کا باپ اپنے خاندان کے متعلق قائم کئے گئے خیال کو غلط ثابت کرنے اور خالد اپنے والد کی حمایت میں پوری زندگی ہر کڑی آزمائش کا بہادری سے مقابلہ کرتا ہے مگر خالد اور اس کے باپ کا انجام لوگوں کے قائم کردہ خیال کو درست ثابت کر دیتا ہے۔

ناول کا پلاٹ گٹھا ہوا مربوط پلاٹ ہے۔ ناول کے اندر بیان کی گئی ضمنی کرداروں کی کہانیاں بالآخر مرکزی کہانی کے ساتھ جڑ جاتی ہی. ناول میں جابجا منظر کشی کی گئی ہے اور دیہی معاشرت کے شب و روز کے معمولات کا بیان تفصیل سے ہوا ہے

کردار نگاری:

کسی بھی ناول کی کامیابی میں سب سے اہم عنصر کردار نگاری اور واقعات کے انتخاب کا ہے۔ ناول نگار کے فن کی آزمائش اس وقت ہوتی ہے جب وہ کرداروں کو منتخب کرتا ہے اور اس بات کا انتخاب کرتا ہے کہ کس کردار سے کونسا کام لینا ہے اور کس واقعے کو کتنی اہمیت دینی ہے کیونکہ ایسے واقعات اور کرداروں کا انتخاب جو کلچر کی روح ہوں اور ان کو اختیار کردہ اسلوب میں بیان کرنا بھی ممکن اور آسان ہو نہایت مشکل ترین کام ہوتا ہے۔ اس ناول میں منشایاد نے جن کرداروں کو منتخب کیا ہے وہ ان کی فنی بصیرت کی پختگی کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ ناول پاکستانی معاشرے کے نچلے متوسط طبقے کی کہانی ہے۔ یہ معاشرے کی ہر اس خالد کی کہانی ہے جو زور آوروں کے تسلط کی وجہ سے اپنا دماغی توازن کھو بیٹھتا ہے۔ یہ ناول ہر اس عبدل کی کہانی ہے جو اپنے اندر چھپی صلاحیت کو منوانے نکلتا ہے تو جیب کترے اسے منزل مقصود پر پہنچنے سے پہلے ہی بھٹکا دیتے ہیں۔ یہ ناول ہر اس نجی کی کہانی ہے جو اپنی معصومیت کے باعث ہوس کاروں کی ہوس کا شکار ہو جاتی ہے۔

معروف نقاد و محقق نجیبہ عارف کہتی ہیں:

> "اس ناول میں کردار نگاری کا فن اپنے عروج پر ہے اتنے متنوع کردار ناول کے صفحات پر بکھرے ہوئے ہیں کہ تعجب ہوتا ہے اور ہر ایک کی صفات جدا جدا، بولی ٹھولی الگ، جملے بازی کی نوعیت فرق، لب و لہجہ مختلف اور عمل تو بالکل ہی وکھری طرح کا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ منشایاد نے یہ بات کیسے یاد رکھی کہ کس کردار سے کیا کام لیا جا سکتا ہے۔۔۔۔۔ اس ناول میں انہوں نے اپنے دیہاتی، ان گھڑے، اکھڑ کرداروں کے لطیف جذبوں اور نرم و نازک پہلوؤں کی تصویر کھینچ دی ہے"۔(1)

خاصے پست سطح اور بے وقعت سماجی پس منظر کے حامل، معاشرے کے یہ دھتکارے ہوئے کردار منشایاد کو اپنے عہد کا اور شاید آنے والے زمانوں کے لئے ایک بڑا ناول نگار بھی بناتے ہیں اور ناول کے اندر موجود کرداروں کے بارے کہا جاتا ہے کہ وہ جیتے جاگتے ہونے چاہئیں اور اس بات سے اختلاف ممکن نہیں ہے۔ دراصل ناول میں قصے اور عمل کی پاسداری کرداروں کے ذریعے ہی ممکن ہوتی ہے۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان ناول کرداروں کی مصوری تسلیم کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> "میں ناول کو انسانی کرداروں کی مصوری سمجھتا ہوں۔ انسان کے کردار روشنی ڈالنا اور اس کے اسرار کو کھولنا ہی ناول کا بنیادی مقصد ہے۔"(2)

محمد حمید شاہد کا کہنا ہے:

> "ایک ایسا ناول جس میں منشایاد نے دیہی زندگی کے بھرپور اظہار کے لئے کرداروں کا ایک میلہ سالگا رکھا ہے"(3)

خالد کا کردار:

ناول کا مرکزی کردار، خالد کا ہے۔ خالد کا کردار ایک ایسے باشعور، حساس اور ذمہ دار فرد کا ہے جو معاشرتی ناہمواری کو گہرے طور پر محسوس کرتا ہے۔ وہ اپنے ہم عمروں اور دوستوں میں پڑھائی کی وجہ سے زیادہ ہوشیار ہے مگر ناول میں کسی موقع پر بھی اپنی اس بڑائی کو نہیں جتاتا۔ وہ انسان کی طرف سے عائد کردہ ناہمواریوں پر سراپا احتجاج بن جاتا ہے۔ ان کے خلاف ساری زندگی جدوجہد کرتا ہے کہیں ان ناانصافیوں کے خلاف بول کر، کہیں چپ چاپ برداشت کر کے اور کہیں ان سے کنارہ کشی اختیار کر کے۔ معاشرتی ناہمواری اور لاقانونیت کے خلاف ساری زندگی علم بغاوت بلند کرتے کرتے آخر میں ہتھیار ڈال دیتا ہے۔

> "اس کا ارد گرد سیدھا سادا تھا لوک گیتوں اور چاندنی کی طرح۔ مگر اسے مشکل چیزیں پسند تھیں۔۔۔۔۔ عام راستے پر تو سبھی چل لیتے ہیں وہ سوچتا نئے، انوکھے اور ان دیکھے راستے پر چل کر دیکھنا چاہیے"۔(4)

خالد کے داداجی سے ملک خوشی محمد نے زمین چھین لی۔ اس کے اباجی کو ملک مراد علی ستاتا رہا۔ اب خالد کا پالا وارث علی سے پڑ گیا تھا۔ وارث علی گھوڑے پر سکول جاتا تھا اور خالد سمیت گاؤں کے سارے لڑکے پیدل جاتے۔ میٹرک میں خالد کی پہلی پوزیشن آئی اور وارث علی فیل ہو گیا۔ خالد شہر کے کالج میں داخل ہو گیا۔ ایف اے کا امتحان سر پر تھا مگر برات کی بہت دھوم تھی۔ خالد انور سے کتاب لینے گیا اور چودھریوں کی برات دیکھنے کے لئے رک گیا اور ہونی ہو گئی۔

> "اس نے آگے بڑھکر اس کا نام پوچھ لیا۔ گاؤں کی یا آدم زاد ہوتی تو کہتی تم کون ہوتے ہو میرا نام پوچھنے والے۔ مگر اس نے بڑی سہج سے اسے دیکھا اور سبھاؤ سے جواب دیا فرح جمال۔ نام بھی ملتا جلتا۔ سچ مچ بدیع الجمال کے خاندان کی فرد۔ "میں خالد ہوں۔ ایف اے کا امتحان دینا ہے" "میں نے دسویں کا دیا ہے" اس نے بتایا اور چلی گئی۔ مگر وہ بالکل ہی نہیں چلی گئی"۔(5)

منشایاد نے خالد کے کردار کی تشکیل پر خصوصی توجہ صرف کی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ کردار جیتا جاگتا اور گوشت پوست کا معلوم ہوتا ہے۔ موجودہ عہد کا فرد ہوتے ہوئے نفع نقصان کی پرواہ نہیں کرتا۔ خالد ایک مختلف اور منفرد سوچ کا حامل شخص ہے وہ چیزوں اور مسائل کو اپنے نقطہ نظر سے دیکھتا ہے۔ مذہب کے خلاف کبھی کوئی کام نہیں کرتا لیکن سماج کی فرسودہ روایات سے ضرور بغاوت کرتا ہے۔ اسی بناء پر اس کا ارد گرد اس کا دشمن ہو جاتا ہے۔ خالد اپنی تمام تر روشن خیالی کے باوجود اس گھٹن زدہ معاشرے کا حصہ ہے۔ وہ ساری زندگی معاشرے میں موجود ناانصافیوں کے خلاف لڑتا ہے۔ معاشرے میں موجود مذہبی، قانونی اور سماجی جبر اس کے اندر ابال پیدا کرتا ہے اور یہ اجتماعی جبر اس کے اندر فرسٹریشن پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن قاری پر اس کی فرسٹریشن کے اثرات مرتب نہیں ہوتے۔ بلکہ یہی فرسٹریشن ناول کے آخر میں اس کو ریت اور کنکر روڑے چبوا دیتی ہے۔ خالد باپ کی موت کا بہت گہرا صدمہ لیتا ہے جو اس کے دل ودماغ کو ہلا کر رکھ دیتا ہے۔ مگر یہ سوچ کر کہ اس پر ذمہ داریوں کا بوجھ ہے خود کو سنبھال لیتا ہے۔ اغواء کیس میں اندر ہو جاتا ہے۔ بدنامی کے ساتھ پولیس کا تشدد اور عزت نفس کو مجروح کرنے والی ماں بہن کی ننگی گالیاں برداشت کرتا ہے۔ جان ہار کر پیار کرنے والی بیوی کی جدائی کا

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3, 2024

صدمہ الگ جان ہلکان کرتا ہے۔ سیاسی حریفوں کی اخبارات میں چھپنے والی بیان بازیاں، ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی جوڑ توڑ اور محبت کے نہ مل سکنے کا دکھ ساری زندگی اس کو کچو کے لگاتا رہتا ہے مگر وہ زندگی کے کسی موڑ پر خود کو کمزور نہیں پڑنے دیتا۔

> "میاں اس معاشرے میں کسی اچھائی، خوبی، ہنر اور حسن کی کوئی قدر نہیں۔ یہ کسی مہذب سوسائٹی کے افراد نہیں بے سمت لوگوں کا ریوڑ ہے۔ تم گایا کرتے ہو نا۔۔۔۔ پھل اگ دے وچ نہ ساڑیئے جی۔ مگر اس رہن سہن میں پھولوں کو آگ میں جلایا جاتا ہے۔ سول اور فوجی بیوروکریسی اور مٹھی بھر جاگیر داروں نے اس قوم کو یرغمال بنایا ہوا ہے۔ عام لوگوں کے آگے بڑھنے کے راستے بند ہیں۔۔۔۔۔ یہ معاشرہ تم جیسے آدمی کی قدر نہیں کرے گا"۔(6)

خالد بطور ایک باپ کے اپنے بچوں کی پسند و ناپسند کا خیال رکھتا ہے۔ اور اپنے بڑے بیٹے نعیم کی فرح کے لئے ناپسندیدگی کو بھانپ لیتا ہے اور ایک بار پھر فرح سے دور ہو جاتا ہے۔ میونسپل الیکشن میں جیتنے کے بعد وہ ملکی سیاست میں دلچسپی لینا شروع کر دیتا ہے اور عام لوگوں کی فلاح و بہبود کے کاموں میں جت جاتا ہے مگر شہر پر قابض قوموں کی اجارہ داریاں عوام کی فلاح و بہبود کے کاموں میں کسی غیر معمولی کارکردگی کی اجازت نہ دیتی تھیں۔ اس کے علاوہ فوجی حکومت نے سارے راستے مسدود کر رکھے تھے۔ اس کے خیال میں طاقت کے زور پر قائم کی ہوئی اس حکومت نے ملک کو کئی سال پیچھے دھکیل دیا تھا۔ اسلام کے نام پر تقلیدی اور اندھی مذہبیت کو فروغ دیا گیا۔ تقریر و تحریر پر پابندیاں لگا دی گئیں۔ مذہبی تنگ نظری، تفرقہ بازی اور نام نہاد مذہبی جماعتوں کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ جاگیر داری کے بت توڑنے کے بجائے کارخانہ داری اور سرمایہ داری کے اور بڑے بڑے بت کھڑے ہو گئے۔ ہر اس جماعت اور گروہ کو تقویت دی گئی جو رجعت پسندانہ فکر کو آگے بڑھاتا اور عسکری حکومت کے قدم مضبوط کرتا تھا ان خیالات کی تشہیر پر خالد کو گرفتار کر لیا گیا۔ وکیل دوستوں کی کوششوں سے رہا ہو کر آنے کے بعد ملکی سیاست میں اور پرجوش ہو جاتا ہے اور صوبائی اسمبلی کے الیکشن میں ناکامی کا منہ دیکھتا ہے۔ مگر زندگی بھر اسی طرح کی بہت سی تکلیفیں برداشت کرنے والا خالد آخر کار کمزور دل اور چھوٹا دماغ ہونے کے وہم کو سچ ثابت کر دیتا ہے اور اخبار میں چھپنے والی جھوٹی خبر کا اتنا اثر لیتا ہے کہ فاتر العقل ہو جاتا ہے۔

وارث علی کا کردار:

ناول کے ہیرو خالد کے مقابل جو کردار چلتا ہے وہ وارث علی کا ہے۔ وارث علی منفی کردار کا حامل ہے۔ وہ خالد کو سکول کے زمانے سے ستانا شروع کرتا ہے اور ناول کے آخر تک ستانے سے باز نہیں آتا۔ اپنی شان پر اتراتا اور غریب لڑکوں کا مذاق اڑاتا تھا۔ پڑھائی میں انتہائی نکما تھا اور سکول کے تمام اساتذہ اس کی نالائقی پر کڑھتے تھے مگر اسے مار نہیں سکتے تھے۔ وہ چاہ والا خورد کے زمین دار ملک مراد علی کا اکلوتا بیٹا اور اس کی ساری جائیداد کا وارث تھا۔ وہ جو کام کرتا اسے کوئی روک ٹوک نہ تھی جس کی وجہ سے وہ بہت سی بری عادتوں کا عادی ہو گیا۔

> "وارث کی بری عادتوں کا انہیں علم تھا وہ باڑے میں آئے مگر پتہ چلا وارث تھوڑی دیر پہلے گھوڑی پر سوار ہو کر میلے کی طرف چلا گیا ہے اور حمیدا؟ ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ مویشیوں کی ایک کوٹھڑی کے قریب سے گزرے تو اندر سے کسی کے رونے اور سسکنے کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے کنڈی کھول کر اندر جھانکا تو حمیدا رسیوں میں بندھا سسک رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر بلند آواز میں رونے لگا۔ انہوں نے اس کی رسیاں کھولیں اس کے چہرے اور جسم پر خراشیں تھیں"۔(7)

سرور کا کردار:

سرور چاہ والا کلاں (بڑے گاؤں) کے چوہدری اکبر کا بھتیجا ہے۔ سرور سے دو بڑے بھائی نورا اور غفورا شادی شدہ ہیں۔ سرور گٹھے ہوئے جسم اور چھوٹے قد کا نہایت مضبوط جوان ہے اور اپنی غلط کاریوں کی وجہ سے گاؤں بھر میں مشہور ہے۔ نورا اور غفورا بھی اندر اندر اس سے ڈرتے ہیں کہ کبھی بدتمیزی پر نہ اتر آئے۔ بھابیاں اس کمرے میں

نہیں جاتیں جہاں وہ اکیلا بیٹھا ہو۔ وہ اپنی عادت کے مطابق کسی کا بھی راستہ روک کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ شروع میں وہ اپنے ماں باپ سے جھجکتا تھا مگر آہستہ آہستہ اس کی جھجک دور ہو گئی۔ وہ چیل کی طرح جھپٹا مار کر کسی جوان جہاں لڑکی کو اٹھا کر اپنی بیٹھک میں لے جاتا۔ اندر سے لڑکی کے چیخنے چلانے کی آوازیں آتی رہتیں اور باہر اسکی ماں کھڑی دروازہ پیٹتی رہ جاتی، وہ تب تک دروازہ نہ کھولتا جب تک اس کے جسم کی آگ ٹھنڈی نہ ہو جاتی۔

پھر ملک مراد علی اور وارث علی کی ملی بھگت سے نجی سناری خود چل کر سرور کے ڈیرے تک آتی ہے اور سرور اسے یرغمال بنالیتا ہے۔ نجی سرور کے ناجائز بچے کو جنم دیتی ہے۔ ایک رات کوئی ڈاکو نجی کو سرور کی قید سے آزاد کرانے آتا ہے، ڈاکو کی آڑ میں سرور اپنے دونوں بھائیوں نورے اور غفورے کو قتل کر دیتا ہے۔ حقیقت کھلنے پر سرور کے خلاف مقدمہ چلتا ہے اور اسے سزا ہو جاتی ہے۔

جورے بھٹی کا کردار:

جورا بھٹی زمین دار گھرانے کا سپوت ہے مگر سرور اور وارث کی نسبت قدرے مثبت کردار کا حامل ہے۔ خالد کا جگری دوست ہے اور دردمند دل رکھنے والا امیر زادہ ہے۔ جورا چاہ والا خورد اور چاہ والا کلاں کے جاگیرداروں اور زمین داروں کے خلاف غریب اور کمزور لوگوں کی ڈھال ہے۔ نجی کا عاشق ہے اور بالآخر نجی کو سرور کی قید سے چھڑا لاتا ہے۔

"چاندے نے کہا، جورے جیسے آدمی نہ ہو تو غریبوں اور کمیوں کا دیہات میں رہنا مشکل ہو جائے۔ تم ضرور جانا اس نے معاف کر دیا تو سمجھو خالد نے بھی کر دیا۔ دونوں بہت گہرے دوست ہیں"۔(8)

بھٹیوں کے خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے دولت کی کمی نہ تھی۔ تعلیم ادھوری چھوڑ کر غلط کاموں میں لگ جاتا ہے۔ چوری اور ڈکیتی کی کئی وارداتوں میں پولیس کو مطلوب ہوتا ہے۔ تاجے کے ساتھ مل کر ڈکیتی کرتا ہے اور پولیس اشتہاری قرار دے کر فلک شیر کے قتل کیس میں، پولیس مقابلے میں مار دیتی ہے۔

بھاء باسو کا کردار:

اصل نام عباس علی ولد کرم دین ہے۔ ذات کا کمہار ہے مگر بھاء باسو کے نام سے مشہور ہے۔ بھاء باسو کبڈی کا پہلوان ہے اور چاہ والا کلاں کا رہنے والا ہے۔ انور کمہار کا بڑا بھائی ہے اور انور خالد کا کلاس فیلو اور دوست ہے۔ بھاء باسو ایک سچا کھلاڑی ہے۔ وہ کسی غرض یا ناموری کے لئے نہیں لڑتا۔ کبڈی اس کا شوق ہے۔ وہ اپنے گاؤں کے ساتھ آس پاس کے چھوٹے بڑے سب گاؤں کا ہیرو ہے۔ لوگ اس کی بہادری کی تعریف کرتے اور میراثی اس کے قصیدے گاتے پھرتے ہیں۔ اس کے مردانہ حسن اور چُستی کی مثالیں دیتے۔ لڑکیاں اس کی شرافت کی باتیں کرتیں۔ جہاں اس کے اتنی قدر کرنے والے لوگ تھے وہاں حسد کرنے والوں کی بھی کمی نہ تھی۔ باسو کا سب سے بڑا حریف نورا تھا۔ باسو نے ایک کبڈی میں اس کی خوب پٹائی کی تھی۔ وہ ہر وقت باسو کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتا رہتا۔ آخر جی نہ بھرا اور اپنے بھائیوں کے ساتھ مل کر ایک روز باسو نہتے پر ڈنڈوں سوٹوں کا وار کر کے اس کی ٹانگ توڑ دی اور خود تھانے میں پیش ہو کر اقبال جرم کر لیا۔ باسو کو اپنی ٹانگ کے ضائع ہو جانے کا بہت دکھ ہوا۔ مگر اس نے کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلائے۔ اپنی انا اور خودداری قائم رکھی۔ باسو کی شادی خالد کی بہن آپا سے ہوئی وہ باسو کو پسند کرتی تھی مگر خاندانی تفاوت کی وجہ سے اظہار نہ کرتی تھی۔ آپا کے ساتھ شادی ہو جانے کے بعد باسو خالد کی زمین پر کاشت کاری کر کے علاقے کا جاٹ زمین دار کہلانے لگتا ہے۔ اپنی ٹانگ ضائع ہو جانے کے بعد بھی ایک موقع پر وہ تین ڈاکوؤں پر اکیلا بھاری ہو جاتا ہے۔ ایک ڈاکو جان بچا کر بھاگ جاتا ہے اور دو پر باسو قابو پالیتا ہے۔ اخبار میں اس کے کارنامے کی تفصیل کے ساتھ تصویر چھپتی ہے اور وہ ایک بار پھر گاؤں بھر کا ہیرو بن جاتا ہے۔ چوہدری اکبر باسو کی دل سے قدر کرتا ہے۔ وہ ایک بار کبڈی کی تیاری کے لئے باسو کے لئے کچھ سامان بھجواتا ہے باسو جواب میں کہتا ہے:

"میں کبڈی کسی کی عزت بے عزتی بڑھانے یا گھٹانے کے لئے نہیں کھیلتا۔ اپنے شوق کی خاطر کھیلتا ہوں اور ایسی مانگے تانگے کی روٹیاں کھا کر اور چوہدریوں کے آگے خود کو رہن رکھ کر اگر میں جیت بھی گیا تو مجھے خوشی نہیں ہو گی بلکہ میں چوہدریوں کا پروردہ بن جاؤں گا"۔(9)

بشیر احمد ھڑ کا کردار:

بشیر اچدھڑ بھی کبڈی کا بہت بڑا پہلوان اور بھاء باسو کا دوست ہے۔ لوگوں نے بہت زور لگایا کہ وہ باسو سے مقابلے کے لئے میدان میں آئے اور کبڈی کھیلے مگر وہ کہتا میں خود جیت کر اور دوست کو ہرا کر جیت کا مزہ کیسے مناؤں گا۔ وہ ایک دفعہ نورے اور غفورے سے باسو کو بچاتا ہے۔ مگر باسو کی ٹانگ کٹنے کے بعد وہ اعلان کرتا ہے کہ وہ بھی اب کبھی کبڈی نہیں کھیلے گا۔ اس کے گھر والے اور برادری نے بہت زور لگایا مگر وہ اپنی بات پر قائم رہا اور کہتا تھا:

"جہاں کھلاڑیوں اور ہیرو آدمیوں کے ساتھ ایسا سلوک ہوتا ہو جیسا باسو کے ساتھ ہوا، وہاں ہیرو بننے کا کیا فائدہ"۔(10)

انور عرف انو کا کردار:

انور عرف انو کمہار، بھاء باسو کا چھوٹا بھائی ہے۔ انور خالد کا کلاس فیلو اور گہرا دوست ہے۔ وہ میٹرک تک خالد کے ساتھ پڑھتا رہا۔ انور پڑھائی میں بھی بہت اچھا تھا۔ مگر باسو کی ٹانگ کٹنے کے بعد وہ دل برداشتہ ہو کر پڑھائی چھوڑ دیتا ہے۔ خالد کے ساتھ مل کر ایک فلاحی انجمن بناتا ہے۔ دن رات کاروبار میں مصروف رہتا ہے۔

"دیہات میں جس بھی کمی کاری سے بدسلوکی ہوتی وہ گاؤں چھوڑ کر انور کے پاس پناہ لیتا۔ وہ اسے کسی کام پر لگا دیتا۔ آہستہ آہستہ بہت سے کمی کاری شہر میں آبسے تھے"۔(11)

خالد کے ساتھ مل کر نجی کی بیٹی کو کنجریوں سے واپس لے آتا ہے۔ بعد میں نجی سے نکاح کر لیتا ہے۔ نجی کی بیٹی پہلے خالد کے پاس اس کی بیٹی بن کر رہتی ہے خالد کے پاگل ہو جانے کے بعد نجی اور انور اسے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔

میاں عبدل کا کردار:

میاں عبدل کا اصل نام عبدالقدوس ہے سکول کے زمانے میں لڑکوں نے عبدل کہنا شروع کیا اور پھر آہستہ آہستہ یہی اس کا نام پڑ گیا۔ عبدل کے والد کا نام مولوی عبدالکریم ہے اور وہ ایک کٹر مولوی ہے۔ گانے بجانے کو انتہائی برا فعل سمجھتا ہے۔ جبکہ میاں عبدل کی آواز بہت خوبصورت ہے اور وہ ہیر وارث شاہ پڑھتا اور گاتا رہتا ہے۔ وہ دوسروں سے زیادہ خود اپنی آواز پر عاشق ہے اور اپنی آواز ریکارڈ کروانا چاہتا ہے ایک دفعہ وہ لاہور گراموفون کی ایک کمپنی میں اپنا ریکارڈ بھروانے جارہا ہوتا ہے کہ راستے میں اس کی جیب کٹ جاتی ہے۔ میاں عبدل گراموفون کی کمپنی تو نہ پہنچ سکا البتہ آوارہ گردی کے الزام میں حوالات پہنچ جاتا ہے۔

حوالات سے واپس آکر وہ اپنی آواز دوبارہ ریکارڈ کروانے سے توبہ کر لیتا ہے۔ مگر اپنے دل سے اپنی آواز کے ریکارڈ ہونے کا خواب نہیں نکال سکتا۔ نجی کی بیٹی نین تارا جب اس کی آواز ریکارڈ کرتی ہے۔ تب اس کی آواز بوڑھی ہو چکی ہوتی ہے اور اس میں وہ سریلا پن اور لوچ ختم ہو چکی ہوتی ہے جو اس کی آواز میں فطری طور پر موجود تھی۔ یوں میاں عبدل کا عشق بھی ادھورا رہ جاتا ہے۔ اور خالد کے کہنے پر اپنے آبائی پیشے سے منسلک ہو جاتا ہے اور خالد سے کہتا ہے

"ٹھیک ہے" میاں عبدل نے کہا "ابا کی خواہش ہے، میں چھوٹی مسجد سنبھال لوں۔ تم بھی یہی کہتے ہو تو سنبھال لوں گا"۔(12)

تاجا، گامی جولاہا، حیاتا موچی اور سیدو ترکھان کا کردار:

ناول میں یہ چاروں کردار تقسیم پاکستان سے پہلے اور کچھ بعد کے عرصے میں دکھائی دیتے ہیں چاہ والا خورد میں سب سے پہلے بندوق تاجا کے ہاتھ آئی جو اس نے کسی آدمی سے چھینی تھی۔ حیاتا موچی ہاتھ میں ہر وقت نیزا لے کر پھرتا تھا۔ اگر کوئی کہتا حیاتا نیزا تو گھڑ سوار کا ہتھیار ہے، حیاتا آگے سے جواب دیتا اصل چیز نیزا ہے گھوڑا تو کسی سے مانگا اور کرائے پر بھی لیا جا سکتا ہے۔ تاجا نے ایک بار اپنی سوتیلی نانی کے گھر میں حیاتا موچی، سیدو ترکھان اور گامی جولاہے کے ساتھ مل کر ڈاکہ ڈالا تھا کھوجیوں نے ان چاروں کو پکڑوا دیا۔

"پولیس کی مار کھا کر اور جیل حوالات کی تکلیفیں برداشت کر کے گامی جولاہے نے تو توبہ کر لی اور رہا ہونے کے بعد اپنے آبائی پیشے میں مصروف ہو گیا اور سیدو ترکھان بھی اپنے کام میں لگ گیا۔ مگر حیاتا موچی اور تاجا پر الٹا اثر ہوا"۔(13)

تاجا اور حیا تا موچی اب مل کر وار داتیں کرنے لگے تھے۔ تھانیدار فضل حسین شاہ سے دونوں کی دوستی ہو گئی تھی وہ اسے اس کا حصہ بھجواتے رہتے اور فضل حسین شاہ اس اوپر کی آمدنی سے اپنے اوپر والوں کو خوش کر تا رہتا۔ فسادات کے دنوں میں ان دونوں کی سرگرمیاں اور زیادہ تیز ہو گئیں۔ لوٹ مار کے ساتھ قتل و غارت گری میں پیش پیش رہے۔ پھر تھانیدار فضل حسین کی ڈیوٹی لگی کہ وہ ہجرت کر جانے والے ہندو اور سکھ خاندانوں کو کیمپ تک بحفاظت پہنچائے۔ تھانیدار نے تاجا کی خدمات لیں اور تاجا کے دہرے مزے ہو گئے۔ وہ ہجرت کر جانے والوں سے سامان، زیور اور نقدی لوٹتا اور ان کی پیچھے چھوڑی ہوئی زمینوں اور گھروں پر قبضہ کر لیتا۔ فسادات اور تقسیم پاکستان کے بعد تاجا کا شمار گاؤں کے زمین داروں میں ہونے لگا۔

ماسٹر شفقت اللہ کا کردار:

ماسٹر شفقت اللہ مشرقی پنجاب کے ضلع انبالہ کے ایک چھوٹے سے شہر روپڑ کے رہنے والے تھے۔ روپڑ سے ہجرت کرتے ہوئے راستے میں والدین اور بیوی، بھوک، پیاس، بیماری اور فسادات کی نذر ہو گئے اور وہ ایک دس سالہ بیٹی اور دو چھوٹے بیٹوں کے ساتھ پاکستان پہنچ پائے۔ ماسٹر شفقت اللہ اپنے قصبے کے ہائی سکول میں سینئر استاد تھے۔ وہ گاؤں کے سب سے زیادہ تعلیم یافتہ اور سفید پوش شخص تھے۔ پورے سکول کو وہ اکیلے سنبھالتے اور ارد گرد کے گاؤں کے پرائمری سکولوں کے پردھان سمجھے جاتے تھے۔ نہایت شریف اور خود دار انسان تھے۔ انہوں نے ہجرت کے وقت اور بعد میں بہت سی تکلیفیں برداشت کیں۔ وہ اپنے شاگردوں میں خالد اور انور پر فخر کرتے تھے۔ خالد کو حوالات سے رہائی ماسٹر شفقت اللہ کی تصدیق پر ملی تھی جو انہوں نے ڈاک میں آنے والے ایک خط کے لفافے کی رائٹنگ کی وجہ سے دی تھی۔ ریٹائر ہونے کے بعد وہ گائوں کے پوسٹ ماسٹر کی ڈیوٹی سر انجام دیتے رہے الیکشن میں بھی انہوں نے خالد کا بہت ساتھ دیا تھا۔

ایڈووکیٹ ملک اللہ یار کا کردار:

ایڈووکیٹ ملک اللہ یار کا کردار ناول میں ایک جاندار کردار کے طور پر آیا ہے۔ ملک اللہ یار نیک صفت اور انسان دوست کردار ہے۔ وہ فرح کا باپ ہے اور خالد کی دل سے قدر کرتا ہے شہر کی زندگی سے شناسائی اور تربیت کرنے میں مدد کرتا ہے۔ خالد انہی کے پاس رہ کر وکالت کے پیشے کی تمام باریک بینیاں سیکھتا ہے اور ملک اللہ یار کی کوششوں سے خالد کو وکالت کا لائسنس ملتا ہے۔ ملک اللہ یار خالد کو داماد بنانے کا خواہش مند ہے مگر قدرت کو کچھ اور منظور ہوتا ہے۔ ملک اللہ یار ایک جہاں دیدہ انسان ہے اور وہ بہت جلد ملک مراد علی اور وارث علی کی نیت کو بھانپ لیتا ہے اور ان کے ساتھ شراکت پر کاروبار اور بیٹی کا رشتہ کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ ہارٹ اٹیک ہونے سے مر جاتا ہے۔

چوہدری اکبر کا کردار:

چوہدری اکبر چاہ والا کلاں کا زمین دار ہے علاقے میں اس کا اچھا خاصا اثر و رسوخ ہے اور وزیروں مشیروں تک اس کی پہنچ ہے۔ علاقے کا تھانیدار ان کے کہے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔ عام جاگیر داروں کی طرح چوہدری اکبر بھی غریبوں اور کمزوروں کا استحصال کرتا ہے اور کمی کاروں کو اپنے پاؤں کی جوتی سمجھتا ہے۔ نورے، غفورے اور سرور کا چاچا اور بزرگ ہونے کے ناطے انہیں برے کاموں سے منع نہیں کرتا۔ آخر تینوں بھائی اپنی غلط کاریوں کی وجہ سے تباہ ہو جاتے ہیں سرور کے ہاتھوں دونوں بھائی قتل ہو جاتے ہیں اور چوہدری اکبر غفورے کے بیٹے فلک شیر کی کفالت کرنے کے بجائے اپنے ڈیرے پر پٹواریوں کو بلوا کر اپنے بھتیجوں کی چھوڑی ہوئی وراثت میں اپنے حصے کا حساب کتاب لگواتا ہے۔ فلک شیر کے مر جانے کے بعد ان کی پوری جائیداد کا مالک بن جاتا ہے۔

ملک مراد علی کا کردار:

ملک مراد علی نہایت شاطر آدمی تھا وہ اڑتی چڑیا کے پر گننے والا اور ہر معاملے میں صرف اپنے مفاد کو دیکھتا تھا۔ ملک مراد علی کی زمین زیادہ نہ تھی مگر اپنی ہوشیاری کی وجہ سے وہ دوسرے بڑے زمین داروں کے برابر اٹھتا بیٹھتا تھا۔ اس نے کچھ عرصہ محکمہ انہار میں ٹھیکے داری کی تھی اور دیہات میں چینی کا کوٹہ بھی تقسیم کرتا رہا تھا۔ پولیس اور دوسرے محکموں میں اس کا اچھا خاصا اثر رسوخ تھا۔ اس کی اصل طاقت اور کامیابی پیر رحمت علی شاہ عرف پیر لت شاہ کا میلہ تھا جو اس کی ملکیتی رکھ میں لگتا تھا میلے کی ساری آمدنی کا وہ اکیلا مالک ہوتا۔ ملک مراد علی خالد سے نفرت کرتا ہے۔ ایک تو اس کے زیادہ پڑھ لکھ جانے کی وجہ سے، دوسرا خالد کے دادا رب نواز فقیر کی بیچ کی ہوئی زمین کا دیوانی مقدمہ کرنے اور بعد میں جیت جانے کی وجہ سے۔ ملک مراد علی خالد کے والد حکیم حق نواز کی حکمت سے بھی خائف رہتا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کبے اور چاندے دونوں حرام زادوں نے کوئی چکر چلا رکھا ہے مگر ہمارا کام اس
جھوٹ کو سچ ثابت کرنا اور باؤ خالد کو ملوث کرنا ہے"(14)

خالد کے والد حکیم حق نواز کا کردار:

خالد کے والد حکیم صاحب نہایت نیک آدمی تھے۔ وہ اپنے باپ رب نواز اور دادا کے فقیر ہو جانے کو نہیں مانتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہمارے خاندان کے مردوں کے دل کمزور اور دماغ چھوٹے ہونے کی وجہ سے کسی صدمے کو برداشت نہیں کر سکتے اور فاترالعقل ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے حکمت صرف اپنے والد ربنواز اور بیٹے یونس کا علاج کرنے کے لئے سیکھی تھی۔ انہیں اپنی طب پر یقین تھا۔ مگر ان کے علاج سے دونوں کو افاقہ نہ ہوا۔ رب نواز کھوہی میں گر کر مر گیا اور سائیں یونس گم ہو گیا اور آخر خالد پر نجی کے اغواء کا غلط مقدمہ بننے کے غم میں ہوش و حواس کھو بیٹھا اور جلد ہی فوت ہو گیا۔

فلک شیر کا کردار:

فلک شیر غفورے کا بیٹا ہے اور تینوں بھائی (نورے، غفورے اور سرور) کی جائیداد کا اکیلا وارث ہے۔ غلط تربیت نے تینوں بھائیوں کو تباہ کر دیا تھا۔ مگر اس کے خاندان نے سبق پھر بھی نہ سیکھا۔ فلک شیر کی تربیت بھی اسی نہج پر کی گئی تھی جو ان کے خاندان کا وطیرہ تھا۔ فلک شیر اپنے چچا سرور کی کاپی تھا اور ساری عادات وہی تھیں۔ سرور اور نجی کی بیٹی نین تارا کو خالد کی بہن آپا کے گھر سے زبردستی اٹھوانے آتا ہے لڑائی ہوتی ہے۔ سائیں یونس کو فلک شیر گولی مار دیتا ہے اور خود جورے بھٹی کے پستول سے نکلنے والی گولی کا نشانہ بن جاتا ہے۔ اس طرح پورے خاندان کا اکیلا چشم و چراغ اپنے کئے کی سزا بھگتا ہے۔

ناول میں موجود دیگر مردانہ کردار

مردانہ کرداروں میں اور بھی بہت سے دوسرے کردار ایسے ہیں جو قابل ذکر ہیں لیکن طوالت کی وجہ سے انہیں یہاں زیر بحث نہیں لایا جا رہا صرف ان کی نشاندہی کی جا رہی ہے۔ سائیں یونس کا کردار ایک پیدائشی اللہ لوک قسم کے فقیر کا ہے جو دوسروں کی کی جانے والی بات کو دوبارہ دہراتا اور ان کی نقل کرتا۔ اللہ ھو اور کچھ دوسرے الفاظ یاد ہونے کی وجہ سے بار بار انہی کا ورد کرتا رہتا۔ پھر کچھ عرصہ بعد فلک شیر کی گولی لگنے سے مر گیا۔

بارو بھانڈ اور میرو بھانڈ گاؤں کے دو ایسے کردار ہیں جن کے بغیر گاؤں میں ہونے والی چھوٹی بڑی خوشی ادھوری سمجھی جاتی ہے۔ یہ لوگ جگت بازی کر کے یا پھر نقلیں اتار کر لوگوں کو ہنساتے ہیں اور انعام میں ملنے والی رقم کو دینے والے کے نام کے ساتھ پورے مجمع میں اعلان کر کے بتاتے ہیں۔ کنجریوں کے ساتھ بھاؤ تاؤ کروانے میں درمیانی کردار یہی بھانڈ کرتے ہیں۔ میرو بھانڈ کا انتقال وارث کی شادی پر نقلیں اتارتے ہوئے ہوتا ہے۔

ملک خوشی محمد ملک مراد علی کا باپ تھا اور اس نے بڑی چالاکی اور ہوشیاری سے خالد کے دادا کے ساتھ چال چلی اور اس میں کامیاب ہو گیا۔ خوشی محمد نے رب نواز سے زمین ہتھیالی اور عدالت میں رب نواز سے اپنے حق میں بیان بھی دلوا دیا۔

"سائیں جی آپ نے زمین اپنی خوشی سے بیچ کی؟" عدالت نے پوچھا
"ہاں جی۔ خوشی کو خوش کر کے میں خوش میرا خدا خوش"
"آپ نے بقائمی ہوش و حواس انگوٹھا لگایا؟"
"انگوٹھا نہیں لگایا" انہوں نے کہا "دستخط کیے"(15)

ملک خوشی محمد نے عدالت کے سامنے بیان دیا کہ یہ فقیر درویش خاندان ہے انہوں نے زمین کیا کرنی ہے یہ اللہ لوک اور بادشاہ بندے ہیں اور ہم ان کے گھر کے گدا۔ ان کے بال بچوں کی ساری ذمہ داری اب میری ہے۔

ولی محمد سنار کا پہلا نام بھگت رام تھا۔ وہ چاہ والا کلاں کے ہندوؤں کا داماد تھا۔ وہ صرف نام ہی کا بھگت نہیں نیک اور شریف آدمی تھا۔ تقسیم پاکستان کے وقت ہندوستان جانے کے بجائے مسلمان ہو گیا۔ پانچ وقت کا نمازی اور پرہیز گار شخص بن گیا۔ سفید ہوتی داڑھی اس کے چہرے پر بہت اچھی لگتی۔ اس کی ایک بیٹی اور دو بیٹے تھے۔ بیٹے اس کے ساتھ

جدی پشتی سنار کا کام ہی کرتے تھے اور ان کی دکان گھر سے ملحق تھی۔ اکلوتی بیٹی نجمہ عرف نجی کو بڑے لاڈوں سے پالا تھا نجی کے لاپتہ ہو جانے کے بعد ولی محمد تہجد کے وقت اٹھ اٹھ کر اللہ سے گریہ وزاری کرتا۔

کبے جولاہا کا اصل نام یعقوب تھا۔ اسے قوبا کہتے تو کبا ہی سنائی دیتا۔ کبا جولاہا بڑا خوشخط تھا اور بڑے گاؤں چاہ والا کلاں میں اس کی دکان تھی۔ خالد کے بدلے وہ نجی کو خط لکھ کر بہت خوش ہوتا اور اپنی طرف سے باتیں اور اشعار جوڑ تا رہتا۔ وہ چاندے کے جوابی خط لانے سے پہلے ہی اس کا جواب لکھ چکا ہوتا تھا۔ خط پڑھ کر اس میں تھوڑی بہت تبدیلی کر دیتا تھا۔ ملک وارث کے بتائے ہوئے مضمون کو خط میں لکھنے سے اسے حالات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔ اس لئے وہ اپنے بیوی بچوں سمیت کہیں روپوش ہو جاتا ہے اور کئی سال بعد جب واپس آکر باگاں والی میں اپنی دکان کھولتا ہے تو اپنی حرام زدگیوں سے باز نہیں آتا اور ہیروئن بیچ کر گاؤں کے نوجوانوں کو بری لت لگا دیتا ہے۔

چاندا موچی سکینہ موچن کا خاوند ہے۔ غریب ہے اور روزگار کوئی نہیں ہے گھر میں بیوی سے لڑنا جھگڑنا اور مار پیٹ کرتا ہے۔ سکینہ نجی کا خط اور لاہور جانے کا خرچ پانی چاندے کے ہاتھ رکھتی ہے۔ چاندا لاہور خالد کو خط پہنچانے کے بجائے ایک رات بڑے گاؤں میں اپنے سسرال کے پاس گزار کر اور صبح کو کبے جولاہے سے خط کا جواب لکھوا کر سکینہ کو لا دیتا ہے۔ دو نمبری کرنے والا یہ کردار تھوڑے سے پیسوں کے لالچ میں آکر نجی کی تباہی کا سامان کرتا ہے نجی کے لاپتہ ہو جانے کے بعد بھی منہ سے کچھ نہیں پھوٹتا، پولیس کی مار پڑنے پر سب کچھ بک دیتا ہے۔

ناول کے اہم نسوانی کردار:

منشا یاد نے اپنے ناول کے ان کرداروں کے توسط سے اپنی مٹی اور دھرتی کی خوشبو کو قارئین تک پہنچایا ہے انہوں نے اس ناول میں پنجاب کی دیہی تہذیب کو اجاگر کیا ہے جو شہری تہذیب کی یلغار سے معدوم ہوتی جا رہی ہے۔ اس ناول میں ان کرداروں کے ذریعے دیہی وسیب جیتا جاگتا نظر آتا ہے۔ مردانہ کرداروں کے مقابل نسوانی کردار بھی ناول میں موجود ہیں منشا یاد نے ان نسوانی کرداروں کی پیشکش میں یہ احتیاط برتی ہے کہ یہ نسوانی کردار اپنی شکل وشباہت سے زیادہ اپنی کرداری خصوصیات کے ذریعے ابھر کر سامنے آئے ہیں۔

فرحانہ عرف فرح جمال:

فرح کا کردار ایک شہری لڑکی کا کردار ہے۔ جو پڑھی لکھی ہے اور اپنے اچھے برے کی تمیز رکھتی ہے۔ نہایت مستقل مزاجی کا ثبوت دیتا یہ کردار ناول کے آخر تک موجود رہتا ہے۔ فرح اپنی کلاس فیلو کے بھائی کو پسند کرتی ہے۔ وہ لوگ اچھی شہرت کے حامل نہیں ہوتے اس لئے گھر والے رشتہ کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ خالد فرح کو چاہتا ہے اور بالآخر فرح بھی خالد کو چاہنے لگتی ہے۔ مگر فرح کی امی طبقاتی فرق کی بناء پر خالد کو قدرے ناپسند کرتی ہے اور خالد کی بہن آپا کی شادی بھاء باسو سے ہونے کی بناء پر انکار کر دیتی ہے۔ اس موقع پر فرح اپنے دفاع میں ایک فیصلہ کرتی ہے۔ وہ خالد کو خط لکھتی ہے کہ وہ اس سے کورٹ میرج کرنے کو تیار ہے۔ مگر خالد اس کو اپنی انا کا مسئلہ بنا کر کورٹ میرج سے انکار کر دیتا ہے۔ فرح پھر کبھی نہ شادی کرنے کا فیصلہ کرتی ہے اور اکیلے زندگی گزارتی رہتی ہے اور اپنے والدین اور اپنی محبت پر آنچ نہیں آنے دیتی۔ یوں دیکھا جائے تو فرح کا کردار ایک مثبت کردار کے طور پر ابھر کر سامنے آیا ہے۔ خالد زینت سے شادی کر لیتا ہے۔ زینت کی موت کے بعد ممکن تھا کہ وہ فرح سے نکاح کر لیتا مگر زینت کے لئے ہوئے وعدے اور خالد کے بڑے بیٹے نعیم کے منفی رویے کے باعث وہ یہ قدم اٹھانے سے رک جاتا ہے۔ مگر زینت کے مرنے کے بعد فرح خالد سے باخبر رہتی ہے اور ٹیلی فون کے ذریعے اس کی خیر خبر معلوم کرتی رہتی ہے۔

نجمہ عرف نجی سناری کا کردار:

نجی سناری باگاں والی گاؤں کے ولی محمد سنارے کی اکلوتی بیٹی ہے۔ ولی محمد قیام پاکستان کے وقت اسلام قبول کر کے مسلمان ہو گیا تھا۔ نجی سناری گاؤں کی واحد لڑکی تھی جو میٹرک تک سکول جا پائی تھی۔ وہ پہلے گھوڑے پر اور پھر سالم تانگے پر بیٹھ کر سکول پڑھنے جاتی۔ نجی سناری انتہائی خوبصورت تھی لمبا قد، دودھ جیسی رنگت، نرم و گداز بدن اور نیلی آنکھیں۔ اس کے حسن کے چرچے دور دور تک تھے۔ ملک مراد علی کی سازش سے نجی گھر سے سہیلی کو ملنے کے بہانے خالد کو ملنے آتی ہے اور سرور کے ہتھے چڑھ جاتی ہے۔ سرور اس کے ساتھ نہایت برا سلوک کرتا ہے اور اسے چھپا کر رکھتا ہے۔ سرور کے پاس نجی ایک ناجائز بچی کو جنم دیتی ہے۔ پندرہ سال بعد دائی حاکاں کے ذریعے اسے اپنی

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3, 2024

بیٹی کے زندہ ہونے کا پتہ چلتا ہے تو وہ اس کے لئے بے قرار ہو جاتی ہے بیٹی کو بازیاب کرانے کے بعد انور عرف انو کمہار سے نکاح کر لیتی ہے۔ مگر اس کی زندگی سے دکھ، تکالیف اور آزمائشیں ختم نہیں ہوتیں، ذلت رسوائی کے ساتھ ساری زندگی گزارنا پڑتی ہے۔ کیچڑ سے نکل کر وہ دوبارہ اپنے آپ کو اس گندگی سے آلودہ نہیں کرتی اور نہایت پاک و صاف زندگی گزارتی ہے۔

> "اسے اس وقت خبر ہوئی جب پانی سر سے گزر گیا تھا۔ اس کا سارا عشق کافور ہو گیا۔ پل بھر میں اس کا دل ہر جذبے اور امنگ سے خالی ہو گیا اور صرف ایک احساس باقی رہ گیا کہ اسے اپنا بچاؤ کرنا ہے"(16)

آپا کا کردار:

آپا کا کردار نہایت جاندار ہے۔ منشایاد نے اس کردار میں زندگی بھر دی ہے۔ وہ خاندان بھر کی خدمت کرتی ہے۔ شادی ہو جانے کے بعد جلد بیوہ ہو کر میکے واپس آ جاتی ہے۔ گاؤں بھر کے لڑکوں اور لڑکیوں کو قرآن پاک پڑھاتی ہے اور اس طرح گاؤں کے سب چھوٹے بڑے کی آپا بن جاتی ہے۔ آپا نہایت خدمت شعار بیٹی اور بہن ہے۔ باسو کو پسند کرتی ہے اور شادی ہو جانے کے بعد اپنے شوہر کی بہت قدر کرتی ہے۔ خالد کے سب دوست بھی ان کو آپا کہتے ہیں۔ وہ نہایت سمجھداری سے پورے کنبے کو سنبھالتی ہے اور زندگی کے ہر موڑ پر خالد کی ہر ممکن مدد کرتی ہے۔

> "وہ بہت سگھڑ اور سلیقہ مند تھی اور اس نے سارا گھر سنبھالا ہوا تھا۔ اس نے اپنے ابا جی سے اردو، فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھی ہوئی اور لکھنا بھی سیکھا ہوا تھا۔ اس نے قرآن پاک ترجمہ کے ساتھ پڑھا ہوا تھا۔۔۔۔ جو بچے قرآن پاک پڑھ جاتے ان کے والدین دل کھول کر انعام واکرام دیتے اور وہ ان کی بھی آپا بن جاتی"۔(17)

زینت کا کردار:

زینت بھی اس ناول کا ایک اہم نسوانی کردار ہے۔ خالد کی خالہ زاد ہے اور بعد میں خالد کے ساتھ شادی ہوتی ہے۔ زینت بڑی نیک، سلیقہ شعار اور محنتی عورت ہے۔ وہ سلائی کڑھائی میں طاق ہے اور کھانا بھی بہت اچھا بناتی ہے۔ وہ گھر کو ہمیشہ صاف ستھرا رکھتی ہے اور خالد کی بہت خدمت کرتی ہے۔ وہ ہر لحاظ سے ایک مثالی بیوی ثابت ہوتی ہے مگر اس کے اندر کچھ باتوں کی کمی ہے۔ دیہات کی اکثر عورتوں کے طرح اس نے صرف دینی تعلیم پائی ہے۔ کبھی سکول کا منہ تک نہیں دیکھا ہوتا اس لئے وہ خالد کا مکمل ساتھ نہیں دے سکتی۔ زندگی کی بدلتی حقیقتوں کے بجائے وہ لکیر کی فقیر ہے اور پرانی ڈگر پر چلنے والی ہے۔

> "زینت اپنے شوہر سے بھی اپنا جسم چھپا کر رکھتی۔ اسے ہر بار کئی طرح کے حربے اختیار کرنا پڑتے۔ کبھی غصے اور ناراضی کا اظہار، کبھی پیار اور کبھی دھمکی۔ پھر وہ گھر کی ساری کھڑکیاں اور دروازے بند کر کے، پردے ٹھیک کر کے اور بتیاں بجھا کر دوپٹے میں منہ چھپا لیتی اور کہتی "منہ کالا کر لیں"۔(18)

ملکانی فاطمہ کا کردار:

فاطمہ ملک اللہ یار کی بیوی اور فرح کی ماں ہے۔ شہری تہذیب کی نمائندگی کرتا یہ کردار اپنے اندر مصنوعی پن لئے ہوئے ہے۔ ملکانی کو اپنے باپ کی دولت اور اونچی ذات سے تعلق رکھنے کا بڑا زعم ہے۔ نمود و نمائش کی دلدادہ ہے۔ خود گاؤں سے تعلق رکھتی ہے۔ مگر گاؤں اور گاؤں والوں سے نفرت کرتی ہے اور اپنی اسی جھوٹی انا کی خاطر فرح کی زندگی تباہ کر دیتی ہے اور ذات برادری کے چکر میں پڑ کر بیٹی کو ساری زندگی تنہائی کے آلاؤ میں جھونک دیتی ہے۔ اسے مصلحت کے تحت بھی اپنے جذبات چھپانا نہیں آتے۔ جو بات اسے ناگوار ہے وہ اس کا برملا اظہار کر دیتی ہے اور بیٹیوں کے لاکھ ٹوکنے کے باوجود نہیں رکتی۔

"گھر میں کسی چیز کی کمی نہ تھی مگر ملکانی کی نیت نہ بھرتی۔ گاؤں سے نکلے اسے قریباً بیس برس ہو گئے تھے مگر اب بھی کسی کو اچھا کپڑا پہنے دیکھتی تو ہاتھوں سے مل مل کر پوچھتی "میڈان جاپان کا بنا ہو اہینا؟ کتنے کا گز ملا ہے؟" گھی کے علاوہ ہر چیز کے بارے میں پوچھتی "ولایتی ہے نا؟"(19)

"لڑکی! تمہیں معلوم ہو گا" فاطمہ نے کہا" ہم ملک کہلاتے ہیں۔ اعوان ہیں ہم۔ پیچھے سے جدی پشتی زمین دار"

"مجھے معلوم ہے" آپا نے کہا

"اگر معلوم تھا تو اس کمہار کو لے کر ہمارے ہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ طرے والی پگڑی باندھ لینے سے کمی ملک یا چوہدری نہیں بن جاتے"۔(20)

سکینہ موچن، دائی حاکاں اور شادو کنجری کا کردار:

سکینہ موچن چاہ والا خورد کی ہے اور باگاں والی میں چاندے موچی سے بیاہی ہوئی ہے۔ سکینہ ولی محمد سنارے کے گھر کام کرتی ہے اور اس کی نجی سے اچھی بنتی ہے۔ وہ چاندے کے گلے شکوے نجی سے کرتی رہتی ہے۔ سکینہ موچن نہایت غریب ہے دو بچوں کا ساتھ بھی ہے۔ وہ نجی کی جھوٹی سچی تعریفیں کر کے انعام اکرام لے جاتی ہے۔ پھر سکینہ کے ہاتھ نجی کی کمزوری آجاتی ہے اور وہ اس کے سامنے ہر وقت خالد کی تعریفیں لے کر بیٹھ جاتی ہے۔ سکینہ ہی نجی کو خط لکھنے اور پھر چاندے کے ذریعے لاہور پہنچا آنے کا مشورہ دیتی ہے۔ پھر دونوں اپنی غربت کے ہاتھوں نجی کے ساتھ دھوکہ کرتے ہیں اور نجی کے لاپتہ ہو جانے کے بعد ڈر کے مارے منہ سے کچھ نہیں پھوٹتے۔ انور عرف انو کمہار کو سکینہ اور چاندے پر شک گزرتا ہے اور وہ پولیس کو خبر کر دیتا ہے۔ حوالات میں چاند اسب اگل دیتا ہے۔ سکینہ خالد کے پاؤں پڑ کر معافی مانگ لیتی ہے اور نجی کے واپس آجانے کے بعد نجی بھی سکینہ کو معاف کر دیتی ہے۔

دائی حاکاں گاؤں بھر کی دائی ہے اور سب کے راز اس کے سینے میں دفن ہیں مگر وہ کسی کو کچھ نہیں بتاتی۔ سرور نجی کا بچہ ضائع کروانے کے لئے دائی حاکاں کی خدمات لیتا ہے اور ساتھ یہ وعدہ بھی کہ وہ کسی سے ذکر نہ کرے گی۔ دائی اپنی کوشش میں ناکام رہتی ہے۔ نجی کے بطن سے پیدا ہونے والی بچی کو دائی حاکاں سرور کی ماں کے کہنے کے باوجود مار کر زمین میں نہیں گاڑھتی۔ بلکہ شادو کنجری کو ایک سو بیس روپے میں بیچ دیتی ہے اور اس بات کا اعتراف اپنے آخری وقت میں نجی کے سامنے کرتی ہے۔

ناول میں موجود دیگر نسوانی کردار:

کثیر الکردار اس ناول میں منشایاد نے کرداروں کا میلہ سالگا رکھا ہے اور انہی کرداروں کے ذریعے دیہی زندگی کی روزمرہ پیش رفت کو بیان کرتا ہے۔ منشایاد نے اپنے انہی کرداروں کے ذریعے دیہی زندگی کی سادگی اور بے ساختگی اور شہری زندگی کی تیز رفتاری و گلیمر کو بڑی خوبصورتی سے پہلو بہ پہلو نبھایا ہے۔ یہی چاہ والا کلاں و خورد اور باگاں والی کے مکینوں کا جہان فن ہے۔ اسی سے انہوں نے اپنے دیہاتی۔ ان گھڑے اور اکھڑ کرداروں کے لطیف جذبوں اور نرم و نازک پہلوؤں کی تصویر کھینچ دی ہے۔ طبقاتی کشمکش کو بھی انہی کرداروں کے ذریعے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

"خالد کی دادی سوت کات کات کر اور بچوں کو پڑھا کر گھر چلاتیں مگر بڑی خود دار تھیں۔ کسی کی امداد قبول نہ کرتیں، اپنے میکے والوں کی بھی نہیں۔ انہوں نے مال مویشی بھی انکے حوالے کر دیا تھا صف دودھ دیتی ایک بھینس گھر میں رکھی ہوئی تھی کہ دودھ، لسی اور گھی کی محتاجی نہ رہے اور چھوٹی موٹی ضرورتیں بھی پوری ہوتی رہیں"۔(21)

جاگیر داروں اور زمین داروں کا کردار:

ناول "راہیں" کے لینڈ اسکیپ میں جاگیر دار اور زمین دار اہم کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ زمین دار اور جاگیر دار نا صرف دولت سے مالا مال ہیں بلکہ ملکی سیاست میں اثر و رسوخ رکھنے کی وجہ سے اوپر تک پہنچ رکھتے ہیں اور ملک کی رگوں سے دولت کا آخری قطرہ تک نچوڑنے والی جونکیں بھی یہی ہیں۔ بلکہ پاکستان کی عوام کے سیاسی و معاشی

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3, 2024

مفادات کا تحفظ بھی انہی کے ہاتھوں میں ہے۔ لہٰذا یہ جاگیر دار و سیاست دان ایک طرف تو ملک کی دولت پر قابض ہیں جو پاکستان کی عوام کی فلاح و بہبود پر صرف ہونی چاہیے تو دوسری طرف اپنے ملک میں اس ڈھرلے سے رہنا سہنا کہ جو ایک طرف ملکی قوانین کے خلاف ہے تو دوسری طرف پاکستانی عوام کے عوامی و مقامی کلچر سے قطعی متضاد ہے۔ یہ لوگ اپنے خدمت گاروں کو اپنا غلام سمجھتے ہیں۔ انہیں اپنے برابر درجہ نہیں دیتے۔ یہ غریب کو انسان نہیں سمجھتے اور ان کی تذلیل کرتے رہتے ہیں اور ہر وقت اپنی دولت کو بڑھانے کے چکروں میں رہتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے تھوڑے سے مفاد کیلئے خون بہانے تک گریز نہیں کرتے۔

تقسیم کے وقت جس طرح انسانوں کا قتل عام ہوا، اسی طرح لوٹ مار کے ذریعے انسانی اقدار کا بھی قتل عام ہوا۔ لوٹ مار، ناجائز منافع خوری، رشوت ستانی ہمارے ضمیر میں شامل ہو گئی ہے۔ دونوں ملکوں میں اس تقسیم سے مذہبی رواداری کا بھی قتل عام ہوا اور ایک کی جگہ دو بلکہ تین قومیں بن گئیں اور ایک دوسرے کی جان کی دشمن ہو گئیں۔ سیاسی لیڈروں نے اپنی سیاست کو چمکانے کے لئے دشمنی کے جذبات کو ہوا دی۔ جس سے عوام کی حالت مزید خراب ہو گئی پھر ملک میں غیر جمہوری فوجی حکومتوں نے حرص ولالچ کے جذبات کو ہوا دی اور ہر طرف حرص ولالچ کا راج ہو گیا امیر اور غریب کا فرق اور زیادہ بڑھ گیا تو حکومت نے ذمہ داری لینے سے انکار کر دیا۔ فرد کو زندہ رہنے اور اپنے اہل وعیال کی پرورش کرنا مشکل ہو گیا۔ سیاست بھی ایک کاروبار بن گئی اور ملکی سیاست کے بعد مقامی سیاست نے ایک اور ہنگامہ برپا کر دیا۔

> "پہلے زمانوں میں غیر ملکی خود آکر قبضہ کرتے تھے اور یہاں کی دولت سمیٹ کر لے جاتے
> تھے۔ اب اپنے اپنے ملکوں میں بیٹھے دوسرے طریقوں سے دولت سمیٹتے رہتے ہیں اور ہمارے
> ساتھ وہی سلوک کرتے ہیں جو گاؤں کا چوہدری کمیوں سے کرتا ہے"۔(22)

کردار نگاری کے حوالے سے ناول "راہیں" کے تمام زنانہ و مردانہ کردار نہایت مضبوط و پختہ کردار ہیں اور منشا یاد نے ان کرداروں کو پیش کرنے میں نہایت فنی چابکدستی سے کام لیا ہے۔ گوشت پوست کے جیتے جاگتے انسان جو اپنے جذبات واحساسات کے اظہار میں کھرے اور سچے ہیں۔ منشا یاد نے جہاں ناول کا قصہ اپنے ماحول سے تلاش کیا ہے وہیں انہوں نے اپنے ناول کے تمام کردار بھی اپنے ارد گرد سے لئے ہیں۔

حوالہ جات:

1۔ نجیبہ عارف، "یاد اس کی جو سراپا یاد ہے" روزنامہ وائس آف پاکستان، اسلام آباد، 10 اکتوبر 2012
2۔ ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، "آزادی کے بعد اردو ناول"، انجمن ترقی اردو پاکستان، 1995، ص:45
3۔ محمد حمید شاہد، "یاد اسکی جو سراپا یاد ہے"، روزنامہ وائس آف پاکستان، اسلام آباد، 10 اکتوبر 2012
4۔ محمد منشا یاد، "راہیں" دوست پبلیکیشنز، اسلام آباد، 2012، ص:13
5۔ محمد منشا یاد، "راہیں"، ص:14
6۔ محمد منشا یاد، "راہیں"، ص:295
7۔ محمد منشا یاد، "راہیں"، ص:92
8۔ محمد منشا یاد، "راہیں"، ص:224
9۔ محمد منشا یاد، "راہیں"، ص:46
10۔ محمد منشا یاد، "راہیں"، ص:98
11۔ محمد منشا یاد، "راہیں"، ص:327
12۔ محمد منشا یاد، "راہیں"، ص:296
13۔ محمد منشا یاد، "راہیں"، ص:69
14۔ محمد منشا یاد، "راہیں"، ص:168
15۔ محمد منشا یاد، "راہیں"، ص:28
16۔ محمد منشا یاد، "راہیں"، ص:171
17۔ محمد منشا یاد، "راہیں"، ص:34
18۔ محمد منشا یاد، "راہیں"، ص:328
19۔ محمد منشا یاد، "راہیں"، ص:227
20۔ محمد منشا یاد، "راہیں"، ص:280
21۔ محمد منشا یاد، "راہیں"، ص:29
22۔ محمد منشا یاد، "راہیں"، ص:439